سلیم احمد کی اقبالیاتی تنقید۔ایک تنقیدی مطالعہ

دبیر عباس

اردو ادب میں اقبال وہ شاعر ہے جس پر اردو ادب کا شاید ہی کوئی نقاد یا محقق ایسا ہو، جس نے نہ لکھا ہو۔اقبال کی زندگی، اقبال کا فن، اقبال کی فکر، متقدمین، معاصرین اور متاخرین میں اقبال کی شخصیت، اقبال کی شاعرانہ عظمت، غرض کوئی ایسا پہلو نہیں، جس پر کام نہ ہوا ہو۔کچھ ناقدین اور محققین تو ایسے ہیں جنھوں نے اپنی تنقید اور تحقیق کا موضوع ہی اقبالیات بنالیا، نہیں تو کم از کم اتنا ضرور لکھا کہ اقبالیات پر ان کی لکھی گئی تحریریں ان کے تنقیدی یا تحقیقی کام میں ایک شعبہ کا درجہ ضرور رکھتی ہیں۔

سلیم احمد کی تنقید کا بھی ایک اہم شعبہ اقبالیات کا ہے۔اقبال، سلیم احمد کی محبوب ترین ادبی شخصیتوں میں سے تھے۔انھوں نے متعدد بار اپنے ذہنی لگاؤ اور ان کے مطالعے سے اپنے گہرے شغف کا اظہار کیا۔وہ کہتے تھے میں اقبال کو برِصغیر کے عظیم ترین لوگوں میں سے سمجھتا ہوں بلکہ پورے ایشیا میں ان کی شخصیت کئی اعتبار سے نمایاں ترین اہمیت کی حامل ہے۔اقبال کے بارے میں دیگر تحریروں کے علاوہ سلیم احمد نے اپنے خیالات و محسوسات کا اظہار اقبال۔ ایک شاعر لکھ کر کیا۔یہ کتاب ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اور سلیم احمد نے یہ کتاب صرف سولہ دن میں لکھی تھی اور بقول اُن کے ''کتاب لکھتے وقت حافظہ کے سوا اور کوئی مواد میرے پاس موجود نہ تھا۔''

سلیم احمد کو اپنے کالج کے زمانے ہی سے اقبال سے بہت دلچسپی تھی۔انھیں اقبال کا بہت سا کلام حفظ تھا اور وہ اس زمانے میں اقبال کے رنگ میں شعر بھی کہتے تھے۔بعد از اں سلیم احمد نے اقبال کے فکر و فن پر تنقیدی نقطۂ نظر سے بھی لکھنا شروع کیا۔اس سلسلے میں سلیم احمد کا پہلا مضمون 'ضربِ کلیم۔شاعری یا فلسفہ' ۱۹۵۸ء میں لکھا گیا۔اس مضمون میں سلیم احمد نے ضربِ کلیم کو شاعری اور فلسفہ کا بہترین امتزاج قرار دیا۔اس مضمون کے آخر میں انھوں نے ردیف و قوافی اور صوتیات کے حوالے سے ضربِ کلیم کی شاعرانہ خوبیوں کو ایک بالکل نئے زاویے سے بیان کیا ہے۔ایک درجے میں ایسا ہی کام انھوں نے غالب کون؟ میں بھی ایک جگہ کیا ہے جہاں انھوں نے میر اور غالب کی بے خودی کا تقابل کیا ہے اور میر کی بے خودی کو غالب سے بہ مراتب قرار دیا

ہے۔صوتیات سے مفاہیم کے تعین کے اس سلسلے سے سلیم احمد بخوبی آگاہ تھے۔سلیم احمد نے جہاں متذکرہ بالا مضمون میں اقبال کی کتاب ضربِ کلیم کو شاعری اور فلسفہ کا بہترین امتزاج قرار دیا ہے وہیں دوسری جگہ اقبال- ایک شاعر میں انھوں نے اقبال کو ایک مختلف انداز میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

اقبال- ایک شاعر اقبال پر لکھی جانے والی کوئی رسمی کتاب نہیں ہے۔سلیم احمد کے ذہن میں اقبال کے متعلق کچھ بنیادی سوالات تھے، جو ادب اور فلسفے کے عمومی اور اقبال کے خصوصی مطالعے سے پیدا ہوئے اور سلیم احمد نے ان کا جواب اپنے مخصوص انداز میں دیا ہے۔انھوں نے پوری کتاب کو دس مطالعوں میں تقسیم کیا ہے اور ان دس ابواب سے قبل ایک تعارفی مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''مطالعے کی بنیاد''۔

اقبال- ایک شاعر کے دیباچے کا پہلا فقرہ ہی سلیم احمد کے اندازِ اقبال شناسی کا تعین کر دیتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

اقبال کے بارے میں ہماری تنقید دل میں چور رکھ کر بات کرنے کی عادی ہوگئی ہے۔[۱]

اس دیباچے میں سلیم احمد اظہارِ تأسف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال کے چند بنیادی اوصاف ہمیں اُن کی شخصیت سے اتنا مرعوب کر دیتے ہیں کہ ہم اُن پر سوچنے کا کام اقبال اکیڈمی کے سپرد کر کے رسمی طور پر اُن کی تعریف کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر مزید برآں اُن کے بہت ناعاقبت اندیش شیدائیوں نے اِس عظیم المرتبت شاعر کو محض ایک خاص علاقے تک محدود کر کے رکھ دیا ہے۔

سلیم احمد آزادیِ خیال کی معنوی حیثیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔انھوں نے کئی جگہ اِس حقیقت کا احساس دلانے کی کوشش بھی کی کہ خیال آزادی کا طالب ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سلیم احمد رسمی تعریف اور اُس پر مطمئن ہونے والے روّیوں کے خلاف تھے۔اِس لیے سلیم احمد کو شدت سے اِس کا احساس ہے کہ اقبال کے بارے میں ہم ابھی مداحی کے رویّے سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔[۲]

سلیم احمد نے اقبال کے بارے میں جو تنقیدی خیالات پیش کیے ہیں اُن کا انداز اقبال کے ناقدین سے بہت مختلف ہے جو سلیم احمد سے پہلے پیش کیے گئے تھے۔سلیم احمد، فراق گورکھپوری، محمد حسن عسکری، مجنوں گورکھپوری اور رشید احمد صدیقی کی تحریروں پر معروضی تبصرہ کرنے کے بعد اقبال کی تاریخ اور ادبی اہمیت کا دل کھول کر اعلان کرتے ہیں اور اپنے موضوع کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اقبال کی شاعری میں ان کے انسان کو تلاش کرنا ہے۔

اقبال- ایک شاعر کے پہلے مضمون ''ایک سچے شاعر کا المیہ'' میں سلیم احمد میر، غالب، انیس اور حالی کے ہاں مرکزی مسئلوں کا سراغ لگاتے ہوئے اقبال تک پہنچتے ہیں۔وہ 'موت' کو اقبال کی ذات کا مرکزی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ اِس ضمن میں اُن کے پاس مضبوط دلیل یہ ہے کہ بانگِ درا اور بالِ جبریل کی

بہترین نظمیں موت کا فلسفہ پیش کرتی ہیں۔ سلیم احمد نے اقبال کے تصورِ مرگ کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا، اُس کے ضمن میں وہ کسی ابہام کا شکار نہیں تھے۔ وہ بعد میں بھی اس مؤقف پر قائم رہے۔

سلیم احمد نے اپنے دعوے کی دلیل میں جو شعر پیش کیا ہے وہ سیاق و سباق کے بغیر اپنا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ یہ شعر اپنے مفہوم کی ترسیل کے لیے اگلے شعر کا محتاج ہے جو یہ ہے:

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام[۳]

رہی یہ بات کہ موت اقبال کا سب سے گہرا اور مرکزی مسئلہ ہے تو اقبال کیا، یہ ہر انسان کا سب سے گہرا اور مرکزی مسئلہ ہے لہٰذا اقبال کا یہ خاص مسئلہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس عمومی مسئلے کا حل اقبال نے کیا پیش کیا ہے۔ اقبال کا حل وہی ہے جو قرآن کا حل ہے یعنی موت حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اخروی کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔ بقول اقبال:

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے[۴]

ڈاکٹر انیس ناگی بھی سلیم احمد سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقبال اگر ملحد وجودیت پسند ہوتے تو پھر وہ موت کے تجربے سے خائف ہو کر انسان کے ارضی قیام سے ماورا ہر حقیقت کو رد کر دیتے۔ اقبال کے نزدیک اصل مسئلہ زندگی کا بامعنی اصول مرتب کرنا ہے۔[۵]

'اقبال اور اردو شاعری کی چار قسمیں' کتاب کا دوسرا مضمون ہے۔ اس مضمون میں سلیم احمد نے سب سے پہلے اردو شاعری کی چار اقسام گنوائی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- تصورات و خیالات کی شاعری
۲- جذبات و محسوسات کی شاعری
۳- زبان کی شاعری
۴- رعایتِ لفظی کی شاعری

سلیم احمد کے خیال میں میر و غالب کی شاعری کے کچھ حصے خیالات کی شاعری کے ذیل میں آتے ہیں جب کہ میر کے کلام کا بیشتر حصہ اور غالب کی کچھ غزلیں جذبات و محسوسات کی شاعری کے ضمن میں آتی ہیں۔ سلیم احمد کے مطابق ذوق اور داغ کی شاعری زبان کی شاعری ہے جب کہ پنڈت دیا شنکر نسیم اور لکھنوی کی شاعری کا بیشتر حصہ رعایتِ لفظی کا نمونہ ہے۔ آخر میں سلیم احمد نتیجہ نکالتے ہیں کہ اقبال کی شاعری، شاعری کی پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ تصورات و خیالات کے شاعر ہیں اور تصورات اور خیالات بھی روایتی نہیں، اُن

کے اپنے ہیں۔

سلیم احمد کے اِس مضمون میں دلائل تو واضح ہیں لیکن دو چار اشعار کو سیکڑوں اشعار کے مقابلے میں بطور دلیل لانا زیادہ مستحسن نہیں۔ بعض ناقدین اِس تقسیم کو مدرسانہ نوعیت کی تقسیم سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر انیس ناگی کے بقول 'شاعری میں اس طرح کی نوع بندی بہت فرسودہ ہے'۔[۶]

''اقبال کی داخلی تصویر'' اِس کتاب کا تیسرا مضمون ہے۔ اِس مضمون میں سلیم احمد نے اقبال کی تشکیلِ جدید کے لیے ایک دلچسپ کوشش کی ہے۔ اقبال کی ایک عام تصویر کو موضوع بحث بناتے ہوئے وہ اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ یہ تصویر ایک بے عمل، لیکن فکر سے معمور شخص کی لگتی ہے۔ اس کے ساتھ سلیم احمد نے عمل اور فکر کی نہایت اہم بحث چھیڑی ہے اور دلائل سے عمل پر فکر کی برتری ثابت کی ہے۔ سلیم احمد کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں فکر و عمل میں تضاد ہو۔

اقبال کے مطالعے کے ضمن میں سلیم احمد نے اُن کے عمل اور فکرِ جہاد اور مابعد الطبیعاتی تصورات کا جائزہ لیا ہے۔ ان تجزیوں میں سلیم احمد کا انداز یہ نہیں کہ وہ پہلے سے جانی پہچانی باتوں کو دہرا دیں بلکہ انھوں نے ہر قدم پر اقبال کے ان موضوعات اور تصورات کو وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ سلیم احمد کا یہ مضمون ایک اہم مضمون ہے۔ انہوں نے اپنے اس مضمون میں اقبال کی تن آسانی سے محبت کا اظہار کیا ہے، اِس لیے کہ یہ ایک ایسی تن آسانی ہے جس سے ایک اعلیٰ درجے کی فکر اور شاعری نے جنم لیا ہے۔ سلیم احمد کے الفاظ میں یہ وہ عمل ہے جو پیغمبری سے چند قدم دور ہے۔[۷]

سلیم احمد کا اقبال پر بڑا اعتراض جو انہوں نے اپنے مضمون ''اقبال کا جہاد'' میں اقبال پر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اقبال کے افکار میں ثنویت ہے جیسا کہ اشفاق احمد اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں کہ دن کے اقبال اور رات کے اقبال میں فرق ہے۔[۸] اقبال شاعری میں عقل کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے ابولہب اور ابوجہل کیوں کہتے ہیں۔ یہ عقل ہی تو ہے جو ابوجہل کو انکار جب کہ ابوبکر کو اقرار سکھاتی ہے۔ سلیم احمد ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقل، علم اور قلم ایک ہی حقیقت کے تین نام ہیں۔ اقبال شاعری میں دانشِ برہانی کے خلاف ہیں لیکن نورانی دانش کی تعریف کرتے ہیں۔ اس مضمون میں سلیم احمد کا تجزیہ بھی بڑا عجیب ہے۔

> عقل سے ان کی لڑائی نہ مغرب کی عقل سے لڑائی ہے نہ اس کی خارج کی کسی اور چیز سے تعلق ہے۔ ان کی لڑائی خود اپنی عقل سے ہے۔[۹]

جس طرح کا یہ اعتراض سلیم احمد نے اقبال پر کیا ہے اس طرح کے اعتراضات اور مفروضے تو ہر تخلیق کار اور شاعر پر گھڑے جا سکتے ہیں۔ اجتماعی مسئلے کو کسی کی ذاتی زندگی کے ساتھ ملا کر دیکھنا کسی حد تک درست تو ہے مگر ہر مسئلے کا تعلق ذاتیات میں تلاش کیا جائے تو ایسا مطالعہ زیادہ صحیح نہیں ہے۔ اِس مضمون کے آخر میں سلیم

احمد کے ہاں بھی وہی ثنویت نظر آتی ہے جس کی وہ اقبال کہ ہاں شکایت کرتے ہیں۔آخر میں کہتے ہیں اقبال کی عقل سے لڑائی خود ہمارے لیے بھی جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ فرضِ کفایہ ہے جو اقبال نے ہماری طرف سے ادا کیا ہے۔

مسلمانوں کی تن آسانی پر لہو رونے والے اقبال کے ہاں سکون وحرکت بھی ایک اہم مسئلے کے طور پر سامنے آتے ہیں۔اقبال کے نزدیک مشرق سکون پرست ہے جب کہ مغرب تغیر پسند۔اس کی وجہ اقبال کے ہاں یہ ہے کہ مشرق کی ذہنیت راہبانہ ہے جب کہ مغرب کی ذہنیت تاجرانہ ہے۔سلیم احمد یہاں بھی اقبال کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب میں عیسائیت کا ذہن مشرقی مذاہب کی نسبت زیادہ راہبانہ ہے سوائے بدھ مت کے، جن کی رہبانیت کو عیسائیت کے متماثل رکھا جا سکتا ہے مگر ان کی تعداد ہی کیا ہے۔سوال در سوال سلیم احمد کا اُسلوبِ خاص ہے۔ یہاں بھی دوسرا سوال جو سلیم احمد نے اٹھایا ہے، وہ یہ ہے کہ کیا مغرب ہمیشہ سے تغیّر پسند رہا ہے؟ خود ہی جواب دیتے ہیں، نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ موجودہ ترقی سے پہلے مغرب بھی گراں خواب ہوا کرتا تھا۔سلیم احمد نے اس مضمون میں اقبال کے نظریہ حرکت وسکون کا تقابل دنیا کے دیگر فلسفیوں کے ساتھ بھی کیا ہے۔سلیم احمد، برگساں سے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے ارتقائے تخلیق کا نظریہ پیش کیا، اقبال اس کے نظریے سے اتنے متاثر ہوئے کہ زمانے کو خدا کہہ بیٹھے۔ایک منظوم تمثیل میں اقبال پر کیے گئے بعض اعتراضات اقبال کی زبانی ہی، اسلم انصاری نے دینے کی کوشش کی ہے۔اس بات کا جواب برگساں کو اقبال نے یوں دیا:

کہیں زمانہ خدا ہو مرا خدا کی پناہ
کہ ہے پناہ مری لا الہ الا اللہ[۱۰]

بعض ناقدین معترض ہیں کہ ارتقائے تخلیق کے نظریے کو برگساں سے منسوب کرنا درست نہیں، کیوں کہ برگساں نے تخلیقی ارتقا کا نظریہ پیش کیا، جب کہ ارتقائے تخلیق اور تخلیقی ارتقا میں فرق ہے۔

اس کے بعد سلیم احمد اقبال کے سب سے اہم موضوع ''خودی'' کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خودی اقبال کی شاعری کا سورۂ اخلاص ہے۔یہ ان کی فکر کا جوہر اور پیغام کا خلاصہ ہے۔خودی کو سمجھے بغیر آپ اقبال کو نہیں سمجھ سکتے۔سلیم احمد نے اقبال کے نہاں خانۂ دل تک پہنچ کر نفسیاتی حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال ہیں تو کچھ اور لیکن بننا کچھ اور چاہتے ہیں۔وہ فلسفی اور شاعر ہیں اور عملی آدمی بننا چاہتے ہیں۔وہ پہلی رات کے چاند ہیں مگر بدرِ کامل بننا چاہتے ہیں۔اسی خیال کو کلیم الدین احمد نے کچھ اس انداز سے پیش کیا:

اقبال شاعر تھے، بہت اچھے شاعر، اگر وہ شاعر ہونے پر قناعت کرتے اور پیغمبر بننے پر مصر نہ ہوتے۔[۱۱]

اقبال— ایک شاعر کے آخری چار ابواب درج ذیل ہیں:

۱- موچی دروازے کا شاعر
۲- اقبال کا معجزۂ فن
۳- اقبال کا ایک شعری کردار- ابلیس
۴- اقبال کا ایک شعری کردار- شاہین

'موچی دروازے کا شاعر' میں سلیم احمد نے اعتراض یہ اٹھایا ہے کہ جب کچھ غیر مسلم ناقدین اقبال کو مسلمانوں کا شاعر قرار دے کر محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اقبال کے بعض ناسمجھ ناقدین اقبال کو آفاقی شاعر قرار دینے پر تُل جاتے ہیں۔ سلیم احمد کا خیال ہے کہ اقبال کی باقی شاعری سے قطع نظر 'شکوہ' کی سب سے بڑی خوبی یا خرابی یہی ہے کہ یہ خالص مسلمانوں کی چیز ہے۔ اس کے فکری و فنی پہلو پر بات کرتے ہوئے سلیم احمد کہتے ہیں کہ اقبال کا موضوع تو بہت وسیع ہے اور مسلمانانِ عالم پر پھیلا ہوا ہے لیکن 'شکوہ' میں اقبال اسے فنی حسن کے ساتھ ادا نہیں کر سکے، تاہم یہ نظم 'موچی دروازے' کی علامتی صورت میں مسلمانانِ برِصغیر کے دلوں کی دھڑکن ہے نہ کہ مسلمانانِ عالم کے دلوں کی۔

'اقبال کا معجزۂ فن' مسجدِ قرطبہ کے حوالے سے ہے۔ حسن عسکری نے علامہ اقبال کے بارے میں بہت کم لکھا ہے لیکن سلیم احمد نے اس مضمون کا آغاز حسن عسکری کے ایک فقرے سے کیا ہے۔ عسکری نے کہا تھا 'مسجدِ قرطبہ اردو شاعری کا تاج محل ہے'۔ سلیم احمد نے اس فقرے کو بنیاد بناتے ہوئے مسجدِ قرطبہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سلیم احمد کہتے ہیں کہ جس طرح اصل مسجدِ قرطبہ عظیم الشان ہے، اسی طرح نظم 'مسجدِ قرطبہ' بھی اپنی مثال آپ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نظم ابدیت کی تاریخ میں معجزۂ فن کا اضافہ ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخری دو مضامین 'اقبال کا ایک شعری کردار- ابلیس' اور 'اقبال کا ایک شعری کردار- شاہین' بھی اقبال شناسی کے ضمن میں اہم اضافہ ہیں۔

اقبال- ایک شاعر کی تنقیدی بصیرت پر بہت سے اعتراضات کیے گئے۔ اشاعتِ ثانی ۱۹۸۷ء میں سلیم احمد نے بیشتر معترضین کے مدلل جوابات دیے۔ ایک مثال دیکھیے۔ سلیم احمد نے اپنے مضمون 'اقبال کی ایک شعری علامت- شاہین' میں لکھا کہ بہر حال اقبال کا شاہین زمین پر نہیں اترتا...... لیکن اقبال ہمیں یہ نہیں بتاتے کہ وہ کھاتا کیا ہے؟ اس پر انیس ناگی نے جواب دیا 'مجھے شاہین کی خوراک اور اس کے مینو میں کوئی دلچسپی نہیں'۔ جس پر سلیم احمد نے اشاعتِ ثانی میں لکھا کہ 'زندہ شاہین اگر رکھنا ہے تو اس کے مینو سے بھی دلچسپی رکھنی پڑے گی ورنہ مر جائے گا۔ ہاں مگر ''ڈمی شاہین'' کی اور بات ہے۔'[۱۲]

دراصل سلیم احمد اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ چھوٹے لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن بڑے لوگوں کی غلطیاں پوری قوم کو تباہ و برباد کر سکتی ہیں۔ اُن کی اصلاح از بس ضروری ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنے ضمیر کی سچائی کے ساتھ اقبال کے فکر وفن کو تنقید کا موضوع بنایا۔ اُن کے خیال میں فکرِ اقبال کی تنقید ملت کی صحت و سلامتی کے لیے ضروری ہے۔ اختلاف کو اختلاف ہی رہنا چاہیے اور اختلاف ہی سمجھنا چاہیے۔ اِسے مخالف اور ذاتی دشمنی پر محمول کرنا ایک طرح کی کج فکری ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱- سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، نقشِ اوّل کتاب گھر، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵
۲- سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، ص ۱۷
۳- اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۴۱۷
۴- ایضاً، ص ۳۵۵
۵- انیسنا گی، ڈاکٹر، تصورات، فیروزسنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۸۲
۶- انیس نا گی، ڈاکٹر، تصورات، ص ۸۳
۷- سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، ص ۵۳
۸- اشفاق احمد کے ساتھ انٹرویو، جنگ لاہور، ۲۳ نومبر ۱۹۹۱ء
۹- سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، ص ۶۴
۱۰- اسلم انصاری، ڈاکٹر، فیضان اقبال (فکرِ اقبال کی نئی شعری تشکیلات) مجلسِ فکرِ اقبال، ملتان، ۱۹۹۷ء، ص ۵۰
۱۱- احمد، کلیم الدین، اقبال ایک مطالعہ، کریسنٹ کوآپریٹو پبلشنگ سوسائٹی، گیا، انڈیا، ۱۹۷۹ء، ص ۷
۱۲- سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، ص ۱۱۸